اظہارِ حقیقت

از جناب قمر الدین خاں صاحب

فروری ۴۲ء کے "معارف" میں جناب مولانا سید سلیمان ندوی نے نام کی تصریح کے بغیر مودودی صاحب پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

(۱) "گذارش کی گئی تھی کہ وہ اسلامی حقائق کی تعبیر مصطلحات زمانہ سے کر کے حقیقت کی تغیر نہ کریں ... فرمایا کہ تجدید میں مصطلحات زمانہ کی تعبیر سے چارہ نہیں مثلاً اعتراض تھا کہ اسلام کو دین اور مذہب کہنے کے بجائے تحریک کیوں کہا جائے؟ جواب ملا کہ دین اور مذہب کے فرسودہ لفظ اس زمانہ میں اپنی اہمیت کھو چکے ہیں اور اپنے لیے مخصوص معنی پیدا کر چکے ہیں اس لیے ایک نئے لفظ تحریک سے اسلام کا پورا نظام زندگی سامنے آجاتا ہے ... کیا عجب ہے کہ اسی دلیل سے آگے چل کر صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج کی جگہ بھی نئے مصطلحاتِ زمانہ گھڑنے کی ضرورت پیش آجائے ... یہ لفظ (یعنی تحریک) انگریزی لفظ (Movement) کا ترجمہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ذہنی تجویز یا اسکیم جس کو ایک شخص نے یا چند شخصوں نے مل کر سوچا ہو اور اس کو پورے جوش و خروش کے ساتھ کامیاب بنانے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اب فرمائیے کہ اسلام ایک ذہنی تجویز یا اسکیم ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں بیٹھ کر سوچا ہو؟ ... اصل میں عیسائی مورخ اسلام کے ساتھ اس لفظ مومنٹ کا استعمال کیا بدیں معنی کہ نعوذ باللہ یہ محمد (صلعم) کی سوچی ہوئی اور ذہن سے نکالی ہوئی اسکیم تھی جس کو انھوں نے اپنے پرجوش رفقاء کے ساتھ مل کر کامیاب کیا۔"

(۲) "ہمارے متکلم نے کہا ہے کہ خلافت راشدہ پارٹی اسٹیٹ تھی اور اسی اصول پر پارٹی کا لیڈر حکومت کا خلیفہ بن گیا۔ یہ کس کو معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا انتخاب آج کی نازی فیسسٹ بالشویک یورپین پارٹیز کے اصول پر تیرہ سو برس پہلے ہو چکا تھا۔ پھر وہ پارٹیاں کون تھیں اور لیڈر کون تھے۔ فرض کیجیے کہ حضرت ابوبکرؓ کا آغاز عہد ہے۔ اس وقت کون کون پارٹیاں تھیں جن میں سے ایک پارٹی کامیاب ہو کر یا قوت پا کر برسرِ عروج آگئی تھی ... پھر پارٹی لیڈر کا تخیل اسلامی ہے یا فرنگی؟"

(۳) "ہر زمانہ میں مجدد کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو علم (عقائد) اور عمل (فقہ) کی صحیح صورت، جس پر جہالت کے پردے پڑ گئے ہوں، تلقین کرے اور جہالت کے ان توبرتو پردوں کو اپنے علم و عمل سے چاک کر دے۔ لیکن اس صدی کے مجدد کا اعلان یہ ہے... کہ فقہ و کلام کے مسائل میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیر جماعت کے فیصلہ کی نہ ہوگی بلکہ میری ذاتی رائے کی ہوگی... سوال یہ ہے کہ ہمارے مجدد کی شانِ تجدید کا ظہور نہ عقائدِ رائجہ کی تصحیح میں ہوگا نہ اعمالِ فاسدہ کی اصلاح میں تو پھر اس امیر کی پیروی کس چیز میں ہوگی... اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ عقائد و فقہ میں امام و مجدد کی دو رائیں ہوتی ہیں، ایک ذاتی رائے اور ایک امام کی حیثیت سے۔ ایک کی تقلید مسلمانوں کے لیے ضروری اور دوسری کی نہیں"۔

سید صاحب کے مضمون میں طنز کا جس قدر حصہ ہے اُسے نظرانداز کرتے ہوئے یہاں ہم صرف اُن غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے جو مذکورۂ بالا تحریر میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) مودودی صاحب نے یہ کبھی نہیں کہا کہ دین اور مذہب کے الفاظ فرسودہ ہو چکے ہیں اس لیے ان کے بجائے اسلام کو لفظ تحریک سے تعبیر کرنا چاہیے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ "دین کا مفہوم عموماً لوگوں کے ذہنوں میں محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس لفظ کو سن کر ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جو دوسرے نظاموں کے تسلط کو مٹا کر خود ان کی جگہ قائم ہونا چاہتا ہے" اس وجہ سے میں اسلام کے لیے دین کے ساتھ تحریک کا لفظ بھی اکثر استعمال کرتا ہوں"۔ (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن بابت رجب، شعبان، رمضان ۶۰ھ صفحہ ۹۴-۱۹۳) جو بات کہی گئی تھی اور اس کو جو معنی پہنائے گئے، دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے۔

(۲) ایک مضمون کے لیے ایک زبان میں جو الفاظ بطور اصطلاح استعمال کیے گئے ہوں، اسی مضمون کو دوسری زبان میں ادا کرنے کے لیے انہی اصطلاحات کو استعمال کرنا نہ تو قابلِ عمل ہے، نہ مفیدِ مطلب، اور نہ یہ کوئی شرعی و دینی فریضہ ہے۔ اصل چیز جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جائیں وہ ذہن میں انہی معانی کا تصور پیدا کریں جو اصل اصطلاحات میں مضمر تھے۔ ورنہ اگر اس بات پر اصرار کیا جائے کہ ایک ہی زبان کی اصطلاحات

دنیا بھر میں استعمال کی جائیں خواہ لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں، تو خیالات کی تبلیغ محال ہو جائے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں جب آپ اسلام کی تبلیغ کرنے جائیں گے تو کیا آپ اللہ، رسول، آخرت، ایمان، خلافت، جہاد، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، حدیث، فقہ، تفسیر، دین، عبادت، تقویٰ، الٰہ، رب وغیرہ الفاظ کے ترجمے نہ کریں گے؟ اور کیا اردو اور فارسی میں علماء نے اللہ کے لیے خدا، رسول کے لیے پیغمبر، صلوٰۃ کے لیے نماز، صوم کے لیے روزہ، تقویٰ کے لیے پرہیزگاری کے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں؟

(۳) جس چیز کا الزام جناب سید صاحب نے مودودی صاحب کو دیا ہے عجیب بات یہ ہے کہ اس کا ارتکاب وہ ہمیشہ خود کرتے رہے ہیں۔ مثلاً ان کی حسب ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:

"اس نئی مذہبی درگاہ کا قیام نہ صرف ٹرکی کے لیے بلکہ ساری ترکی تاری نسل میں دوبارہ پیغام محمدی کے احیاء کے لیے ہوگا اور عجب نہیں کہ آئندہ چل کر وہ کسی عظیم الشان اسلامی تحریک کا مرکز بن جائے۔" (معارف۔ مارچ ۱۹۴۱ء)

"ایسے نوجوان طبقے بھی موجود ہیں جو خود اسلامی تخیل اور اس کی عالمگیر تحریک کی حقیقت سمجھنے اور زمانہ حال کی زبان میں اس کی تعبیر اور فہم و تفہیم کے لیے بے تاب ہیں ... مجلس نظام اسلامی جو چھتاری کمیٹی کی خواہش کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لیے کوشش کر رہی ہے وہ اسی اقتضائے حال کی تعمیل ہے۔" (معارف۔ جون ۱۹۴۱ء)

(واضح رہے کہ اس مجلس نظام اسلامی کے صدر جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی خود ہیں)

"موجودہ زمانہ میں اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام کو جدید طرز میں اس طرح پیش کرنا جو دوسری قوموں اور جدید طبقہ کے لیے بھی قابل توجہ ہو، ایک مفید خدمت ہے۔" (معارف۔ دسمبر ۱۹۴۱ء)

"دنیا آج اپنی نجات کی راہ فسزم، نازی ازم، سوشلزم، کمیونزم، بالشوزم میں ڈھونڈ رہی ہے حالانکہ اس کا ایک ہی راستہ ہے اسلام ازم۔" (معارف۔ جنوری ۱۹۳۹ء)

سوال یہ ہے کہ یہ اسلامی تخیل، اسلامی تحریک، نظام اسلامی اور اسلام ازم کی اصطلاحیں قرآن و حدیث اور صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال میں استعمال ہوئی ہیں یا اب گھڑی گئی ہیں؟ اگر اب گھڑی گئی ہیں تو کیا جب سید صاحب مصطلحات زمانہ سے حقائق کی تعبیر فرماتے ہیں تو ان کی تعبیر سے حقیقت کی تغییر نہیں ہوتی؟

(۴) سید صاحب نے لفظ تحریک کو انگریزی لفظ "موومنٹ" کا ترجمہ قرار دیتے ہوئے اس کی جو تشریح فرمائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ تحریک اور اس کے ہم معنی انگریزی لفظ "موومنٹ" کے مفہوم میں یہ بات ہرگز داخل نہیں ہے کہ جس تجویز یا اسکیم یا مقصد یا نصب العین کے لیے جدوجہد کی جائے وہ لازماً کسی شخص یا اشخاص کی طبعزاد ہی ہو۔ بلکہ اس لفظ کے مفہوم میں اصل اعتبار جس چیز کا ہے وہ صرف مسلسل جدوجہد ہے جو کسی مقصد کے حصول اور کسی تجویز کی کامیابی کے لیے کی جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ مقصد اور وہ تجویز خدا کی طرف سے ہو یا انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہو۔ انگریزی زبان کے مستند ترین لغت (Oxford English Dictionary) میں اس لفظ کی تشریح یوں کی گئی ہے:

(A series of actions and endeavours by a body of persons, tending more or less continuously towards some special end.)

"ایک جماعت اشخاص کی طرف سے اعمال اور مساعی کا ایک سلسلہ جو کسی خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کم و بیش لگاتار چل رہا ہو۔"

اس تعریف سے یہ سوال بالکل غیر متعلق ہے کہ تحریک کی بنیاد جس مقصد پر ہو وہ ان اشخاص کا اپنا تجویز کردہ ہو یا خدا کا مقرر کردہ۔ تحریکیں دونوں طرح کی ہو سکتی ہیں، اور دونوں پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان میں مسلسل سعی و جہد کا وصف پایا جائے۔ مذہب و مسلک کو جو چیز تحریک سے ممیز کرتی ہے وہ یہی جدوجہد کا وصف ہے۔ جب تک آپ کوئی تخیل یا طریق فکر و عمل اپنے ذہن میں رکھتے ہیں یا خود اس کا اتباع کرتے ہیں، وہ آپ کا مذہب و مسلک ہے۔ جب آپ اس کی تبلیغ کرتے ہیں، اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور اس کی اقامت کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے لگتے ہیں تو اسی چیز کا نام "تحریک" ہے۔

(۵) لیکن اگر لفظ تحریک کا مفہوم وہی مان لیا جائے جو سید صاحب بیان فرماتے ہیں تو ہم ان سے دریافت کریں گے کہ حسب ذیل عبارات کا کیا مفہوم ہے جو خود انہی کے قلم مبارک سے نکلی ہیں:

"تیرھویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا، مولانا اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلوی کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی" (مقدمہ سیرت سید احمد شہید۔ طبع دوم)

"جو کامیابی مولانا اسماعیل شہید کی تحریک کو حاصل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی ذہنی و عملی قوی کے بیدار کرنے میں جو عظیم الشان کام کیا اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ تجدید اسلام کے اصل و اساس، نظام حقیقی کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی تھی"۔ (مقالہ "ایمان")

سوال یہ ہے کہ اگر تحریک سے مراد کوئی ذہنی تجویز یا اسکیم ہے "جس کو ایک شخص یا چند اشخاص نے مل کر سوچا ہو" تو حضرت سید احمد اور مولانا اسماعیل رحمہما اللہ کے کام کو آپ "تحریک" کے لفظ سے کس طرح تعبیر فرما سکتے ہیں؟ اور اگر ان کا کام اسی معنی میں آپ کے نزدیک "تحریک" تھا تو اسے تجدید دین اور تجدید اسلام کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۶) عیسائیوں نے اسلام کے لیے لفظ "موومنٹ" کا استعمال اگر کیا ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ البتہ قابل اعتراض جو بات ہے وہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے اسے ایک الٰہی تحریک کے بجائے ایک انسان کی طبعزاد تحریک قرار دیا۔

(۷) "پارٹی" کا لفظ انگریزی زبان میں "جماعت" اور "حزب" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور "لیڈر" کا مفہوم وہی ہے جو عربی میں "امام" یا "امیر" کا ہے۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ "امام جماعت" یا "امیر جماعت" کا تخیل تو خالص اسلامی ہو، مگر عربی کے بجائے انگریزی میں "پارٹی لیڈر" کہہ دیا جائے تو محض الفاظ بدل جانے سے وہی تخیل فرنگی ہو جائے۔

(۸) خلافت راشدہ کو "پارٹی اسٹیٹ" اس معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ قومی حکومت (نیشنل اسٹیٹ) یا شاہی حکومت (امپیریل اسٹیٹ) نہ تھی بلکہ اُس جماعت کی حکومت تھی جو اسلام کے عقیدہ و مسلک پر مبنی تھی۔ یہ لفظ دو اصطلاحی الفاظ سے مرکب ہے جن کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

"پارٹی" کا اصل مفہوم صرف یہ ہے کہ کسی نظریہ اور مقصد پر کچھ لوگ متفق ہو کر ایک نظام میں منضبط ہو جائیں۔ اس مفہوم کے اعتبار سے یہ لفظ مختلف قسم کی پارٹیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قسم کی پارٹیاں وہ ہوتی ہیں جن کے پیش نظر پوری زندگی کا جامع مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ جزوی مسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ یا مسائل جزئیہ کا ایک

مجموعہ ہوتا ہے۔ سیاسیات میں اس طرح کی پارٹیاں اسٹیٹ نہیں بناتیں بلکہ اسٹیٹ کے اندر گورنمنٹ کا نظام اپنے اصول پر چلانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اجتماعیات میں اس نوع کی پارٹیاں کسی تمدن کی تشکیل نہیں کرتیں بلکہ حاضر الوقت تمدن کے اندر کسی خاص پہلو میں اپنے نقطۂ نظر سے اصلاح یا ترمیم کی کوشش کرتی ہیں۔ (سید صاحب کا ذہن پارٹی کے لفظ سے اسی نوع کی پارٹیوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے)۔ دوسری قسم کی پارٹیاں وہ ہوتی ہیں جو اسٹیٹ کے اندر گورنمنٹ نہیں چلاتیں بلکہ خود اپنا اسٹیٹ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ تمدن کے اندر جزوی اصلاح نہیں کرنا چاہتیں بلکہ خود اپنے اصول پر پورا نظام تمدن بنانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اس نوع کی پارٹی ایک ایسا نظریہ لے کر اُٹھتی ہے جو اُس کے عقیدہ میں تمام مسائل حیات پر حاوی ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع نظام فکر و عمل کی بنیاد بن سکتا ہے۔ یہ پارٹی کوشش کرتی ہے کہ دنیا میں اُسی کے نظریہ اور اُسی کے نظام کی فرمانروائی قائم ہو اور دوسرے ہر نظریہ و نظام کی حکمرانی ختم ہو جائے۔ کمیونسٹ، نازی اور فاشسٹ پارٹیاں اسی دوسرے معنی میں پارٹیاں کہلاتی ہیں، اور قرآن و حدیث میں مسلمانوں کے لیے حزب، جماعت اور امت کے الفاظ بھی اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مودودی صاحب نے پارٹی کے لفظ سے یہی دوسری قسم کی پارٹی مراد لی ہے نہ کہ وہ جو سید صاحب سمجھے ہیں)۔

لفظ "اسٹیٹ" کا مفہوم آج کل کی اصطلاح میں حکومت کے اس تصور سے بہت زیادہ وسیع و ہمہ گیر ہے جو کچھ مدت پہلے تک سمجھا جاتا رہا ہے۔ اب اسٹیٹ اپنے جغرافی حدود میں پوری انسانی زندگی پر بالکلیہ محیط ہوتا ہے، اس کی بنیاد خود اپنے تصور کائنات و انسان اور فلسفۂ زندگی پر ہوتی ہے، اس تصور کی بنا پر اخلاق، سیاست، معیشت، معاشرت، حقوق و فرائض اور حدود و حلال و حرام کا ایک مکمل ضابطہ بنتا ہے جسے اسٹیٹ نافذ کرتا ہے اور ہر شخص جو اُس کے حدود میں رہتا ہو، طوعاً و کرہاً اسی کے ضابطہ کی پیروی کرتا ہے۔ افراد یا جماعتوں کے لیے اس نظام کے اندر صرف اُس قدر آزادی ہوتی ہے جس کے لیے خود اسٹیٹ نے گنجائش رکھ دی ہو۔

ان دونوں اصطلاحوں کو ملا کر پارٹی اسٹیٹ کی اصطلاح ایسے اسٹیٹ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کو

ایک نظامِ فکر و عمل (آیڈیالوجی) پر ایمان لانے والی جماعت قائم کرے اور چلائے۔ اس تشریح سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت راشدہ کے لیے "پارٹی اسٹیٹ" کا لفظ کس قدر صحیح ہے۔ سید صاحب نے اسے محدود معنی میں "پارٹی گورنمنٹ" سمجھ لیا اس وجہ سے وہ سوالات پیدا ہو گئے جو ان کی عبارت سے نقل کیے گئے ہیں۔

(۹) سید صاحب کو ابھی تک اس بات پر اصرار ہے کہ مودودی صاحب "مجدد" ہونے کے مدعی ہیں، حالانکہ مودودی صاحب صاف الفاظ میں اس کی تردید کر چکے ہیں۔ یہ عجیب روش ہے کہ ایک شخص انکار کر رہا ہے کہ میں مدعی نہیں ہوں اور آپ اصرار کیے چلے جاتے ہیں کہ نہیں، تو ضرور مدعی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی شخص کو بدنام کرنے کے لیے اس سے زیادہ سستا نسخہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس پر کسی دعوے کا الزام لگا دیا جائے، مگر "سیرۃ النبی" کے مصنف کو ہم ایسی باتوں سے بالاتر دیکھنا چاہتے تھے۔

(۱۰) سید صاحب کا آخری اعتراض حیرت انگیز ہے۔ مودودی صاحب پر ان کو یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے فقہی و اعتقادی مسائل میں اپنی تحقیق کو تمام ارکان جماعت پر مسلط کیوں نہیں کیا۔ حالانکہ اگر کہیں مودودی صاحب یہ حرکت کر بیٹھے ہوتے تو ہمیں یقین ہے کہ سب سے پہلے سید صاحب ہی اس پر معترض ہوتے کہ اس شخص نے اپنا ایک مستقل مذہب بنا لیا ہے اور یہ جماعت دراصل اس کے مذہب کا متبع فرقہ ہے۔ رہا سید صاحب کا یہ ارشاد کہ اگر تمھارا کام نہ عقائد رائجہ کی تصحیح ہے نہ اعمال فاسدہ کی اصلاح تو آخر تمھارا کام کیا ہے، اور یہ ذاتی رائے اور امام کی رائے کا فرق تم نے کہاں سے نکالا ہے، تو اس باب میں جماعت کا مسلک اس قدر واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں سید صاحب جیسے فاضل بزرگ کے لیے کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی۔ جماعت کی بنیاد اصل دین اور اس کے اساسی عقائد اور اس کے نصب العین پر ہے جن میں اہل ایمان کے درمیان سلف سے خلف تک کبھی اختلاف نہیں رہا۔ باقی رہے جزئیاتِ فقہ اور اعتقادیات کے فروعی مسائل، تو ان میں تعبیر و تحقیق کی گنجائش صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے متاخرین سب کے ہاں رہی ہے اور جماعت اسلامی کے نظام میں کبھی یہ ضروری نہیں رہا کہ ایک شخص جب امیر یا امام بنا دیا جائے تو تمام جزئی و فروعی مسائل میں اس کی رائے کو تمام مسلمان تسلیم کر لیں۔ بلاشبہ ہم عقائد فاسدہ اور اعمال فاسدہ کی اصلاح چاہتے ہیں مگر ان الفاظ کا اطلاق صرف ان عقائد و اعمال پر ہوتا ہے جو نصوص صریحہ کے خلاف ہوں۔ مجتہد فیہ مسائل میں جن مختلف آرا اور طریقوں کے لیے خود نصوص میں گنجائش ہو ان میں سے کسی کے لیے یہ الفاظ نہ استعمال کیے جا سکتے ہیں اور نہ کسی امیر یا امام کو یہ حق ہے کہ ان امور میں اپنے مسلک کے سوا باقی سب مسالک کو فاسد قرار دے